محمد بشیر
مدیر معهد اللغة العربية، اسلام آباد
وایڈیٹر ماهنامه "نداء الإسلام" اسلام آباد

دوسری قسط

وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب میں اصلاح کیلئے
چند راہنما اصول اور تجاویز

عربی زبان کے بارے میں عصر حاضر کی ضروریات

جب ہم اسلامی ریاست پاکستان کے نظام تعلیم کی تشکیل کی بات کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ ہمیں اپنے دینی، سفارتی، سیاسی، تجارتی اور صحافتی میدانوں میں دوسرے مسلمان ملکوں خصوصا عرب ملکوں کے متعلقہ حلقوں اور اداروں سے اپنے گوناگوں روابط اور معاملات میں عربی زبان کو خط وکتابت، گفتگو اور تحریر و تصنیف میں استعمال کرنا پڑتا ہے اور یہ تعامل عربی زبان کے اسی اسلوب، اصطلاحات اور معیار میں ہوتا ہے جو آج کے دور میں رائج ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کیلئے میں یہاں مملکت کی سیاسی، عسکری یا سفارتی ضروریات کی مثال نہیں دیتا، بلکہ اپنے دینی مدارس کے ان طلبہ کی مثال دیتا ہوں جو اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ یا دیگر عرب اداروں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی انہیں "پہلی پریشانی" یہ لاحق ہوتی ہے کہ وہ عربی زبان بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے اور اس وقت انہیں یہ احساس بلکہ "انکشاف" ہوتا ہے کہ ہم مدرسے میں جو آٹھ سال تک صرف ونحو اور عربی لغت کی دقیق بحثوں کو رٹتے رہے ہیں اس سے ہمیں عربی زبان نہیں آئی۔ اس طرح عموماً دو سال یا کبھی تین سال یہاں انہیں بنیادی عربی زبان کو سیکھنے کی غرض سے شعبة اللغة العربية میں صرف کرنا پڑتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ ہماری درسگاہوں میں عربی زبان کی مناسب تعلیم نہ ہونے سے ہمارے نوجوان طلبہ اور علماء کو کن کن پریشانیوں کا سامنا پڑتا ہے۔ اگر میٹرک پاس طالب علم شهادة عالمية حاصل کرلے تو ہم اسے ایم-اے کے مساوی قرار دیتے ہیں لیکن عملاً کیا ہوتا ہے؟ عرب ملکوں میں ہماری شهادة عالمية کو ثانویہ عامہ (انٹرمیڈیٹ) کے برابر تصور کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ہمارے طلبہ عربی زبان کے فہم، نطق اور تحریر کی قدرت سے عاری ہوتے ہیں اسلئے انہیں وہاں بی-اے سال اول میں داخلے کیلئے بنیادی عربی زبان کا دو سالہ یا تین سالہ کورس کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہمارے شهادة عالمية کے حامل فاضل کو گریجویشن کیلئے کتنی مدت صرف کرنی پڑتی ہے:-

میٹرک	درس نظامی	شعبة اللغة العربية	گریجویشن
۱۰سال	۸سال	۲سال	۴سال

کل مدت ۲۴ سال کے بعد وہ عرب دنیا سے بی-اے ہو کر آتا ہے۔ یہ ہمارے ایم-اے کی حقیقت ہے۔

اسی طرح ایسے طلبہ کی کیفیت اور مشکلات کا اندازہ کریلئے جو یہاں سے ایف-اے یا بی-اے اور درس نظامی پاس کرکے وہاں کے اداروں میں مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے فاضل علماء بھی ہوتے ہیں جو یہاں سے درس نظامی سے فراغت کے بعد تدریس کا تجربہ بھی رکھتے ہیں؛ پھر بھی انہیں وہاں بنیادی عربی زبان سیکھنا پڑتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر وہاں مزید تعلیم کی راہ مسدود ہوتی ہے۔

عرب دنیا میں گریجویشن میں داخلے کیلئے صرف تین سالہ تعلیم کافی ہوگی!!

بہر حال اپنی رائے اور عملی تجربات کی روشنی میں میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے ایک میٹرک پاس طالب علم کو اگر صحیح طریق تدریس کے مطابق بنیادی عربی زبان اور اسلامی علوم کی تین سال کی تعلیم دی جائے تو وہ وہاں کے گریجوایشن کورس میں بآسانی داخلہ لے سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ شهادة عالمية کی ضرورت ہوگی اور نہ وہاں جاکر شعبة اللغة العربية میں بیٹھنا ہوگا، ان شاء اللہ

میٹرک پاس طالب علم کو معلم عربی بنانے کیلئے تین سالہ عربی کورس کافی ہوگا۔

اس وقت یہ نہائت افسوسناک صورت ہے کہ حکومت ۱۹۸۲ء سے شهادة عالمية کے حاملین کو مڈل اور ثانوی سکولوں میں معلم عربی کی پوسٹ پر تقرری سے انکاری ہے؛ جبکہ دوسری طرف وہ عربی مضمون کے ساتھ ایف-اے پاس کرنے والے طالب علم کو اس پوسٹ پر مقرر کرتی ہے۔ حالانکہ درس نظامی کے فاضل کے مقابلے میں اسلامی علوم اور عربی علوم کے بارے میں اس کی معلومات صفر ہوتی ہیں!! یہ تضاد کیوں جاری ہے؟ س میں حکومت کی بے حسی کے علاوہ کچھ وفاق

کے نظم میں کمزوری اور مدارس کے فرسودہ نصاب تعلیم کا بھی دخل ضرور ہے۔

جبکہ صحیح صورت یہ ہوگی کہ میٹرک پاس طالب علم کو تین سال میں عربی زبان وادب اور شرعی علوم کی اتنی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ وہ مڈل اور ثانوی سکولوں میں عربی اور اسلامیات دونوں کا اچھا معلم بن سکتا ہے۔ اس کے لئے وفاق کے نظم کو درست رکھنے کے علاوہ نصاب اور طریق تعلیم دونوں کو اچھے خطوط پر استوار کرنا ہوگا۔ اگر محنت اور اخلاص سے کام لیا جائے تو یہ بالکل ممکن اور صحیح بات ہے اور حکومت بھی تسلیم کرے گی۔

زبان کی معیاری تعلیم و تدریس کا

جدید نظریہ

دور جدید کے مفکرین اور ماہرین تعلیم نے اپنے افکار اور تجربات کی روشنی میں کسی زبان کی صحیح تعلیم و تدریس کا جو جامع معیار مقرر کیا ہے اس میں زیر تعلیم طلبہ میں اس کے چار پہلوؤں میں سلیقہ اور مہارت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا ضروری ہوتا ہے (یابالفاظ دیگر اسے چار تعلیمی مقاصد کی تکمیل کرنی چاہئے)۔ یہ چار پہلو یا مقاصد جنہیں عربی میں المهارات الأربع کہا جاتا ہے یہ ہیں :

(۱) مهارة القراءة (پڑھنے کا ملکہ)
یعنی طالب اپنی سطح کی کتابوں، کہانیوں، نظموں اور اخبارات وغیرہ کو سمجھ کر پڑھ سکے۔

(۲) مهارة الاستماع (سننے کا ملکہ)
یعنی طالب علم اپنی سطح کے مطابق اس زبان میں گفتگو، تقریر، خبروں وغیرہ کو سن کر سمجھ پائے۔

(۳) مهارة التحدث (بول چال کا سلیقہ)
یعنی طالب علم اپنی روزمرہ زندگی اور ماحول کے بارے میں گفتگو کرنے کی استطاعت حاصل کرلے۔

(٤) مهارة الكتابة (تحریر کا ملکہ)
یعنی طالب علم اپنی سطح کے مطابق اس زبان میں تحریری طور پر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرسکے اور اس میں ضروری باتیں مثلاً ذاتی خطوط، درخواستیں، تأثرات اور مضامین وغیرہ لکھ سکے۔

اب یہ واضح ہے کہ ان چاروں پہلوؤں (پڑھنے، سننے، گفتگو اور تحریر) میں اچھی قابلیت اور ملکہ پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ

(۱) طالب علم کو اس کے اپنے ماحول اور روزمرہ زندگی کے بارے میں لغت کی مناسب اور ضروری معلومات (الفاظ، ترکیبات، اصطلاحات اور جملوں) کا ذخیرہ فراہم کیا جائے، اور پھر
(۲) اسے ان کے صحیح نطق (تلفظ) کی تربیت اور معنوں کو سمجھانے کا اہتمام ہونا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ
(۳) اسے ان کے زبانی اور تحریری استعمالات کی خوب مشق و تمرین کرانی ہوگی۔

ان تمام امور میں اچھا ملکہ اور مہارت پیدا کرنے کیلئے نصاب تعلیم، طریقہ تدریس، معلم اور ماحول میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی اہمیت ہے اور اثر ہوتا ہے، اور ان سب کی اچھی اور مشترکہ کارکردگی اور محنت مؤثر ہوتی ہے۔ اس لئے اچھے نتائج کے حصول کیلئے ان میں سے ہر ایک کو اپنا کردار حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینا ہوگا۔

تاہم سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ نصاب تعلیم، دینی اور شرعی تقاضوں کے علاوہ وقت کے لسانی اور فکری تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کرتا ہو، اور اس میں طالب علم کی زندگی اور ماحول کے بارے میں عربی کا ضروری اور مناسب ذخیرہ لغت اور معلومات کا وافر حصہ موجود ہو، نیز ان کی زبانی اور تحریری مشق کرانے کا پورا اہتمام بھی کیا گیا ہو۔

......اب اگر نصاب تعلیم ہی ناقص اور غیر معیاری ہو،
......یا اس قدر پرانا اور فرسودہ ہو کہ اس کا طالب علم کے ماحول، زمانے اور زندگی سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو،
...... یا اس میں لغت کی تازہ معلومات ناپید ہوں،
......یا ان کی عملی مشق (زبانی اور تحریری دونوں) کا مناسب اہتمام نہ کیا گیا ہو،

تو تعلیم ناقص اور ادھوری رہے گی۔ اور مذکورہ بالا دوسرے عناصر (طریقہ تدریس، معلم، اور طالب علم کی درسگاہ اور خاندان کے ماحول) کی کوششیں بھی غیر مؤثر اور بیکار رہیں گی۔ اس لئے معیاری تعلیم و تدریس میں سب سے زیادہ اہم اور بنیادی عنصر نصاب تعلیم ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ اچھا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو تو دوسرے عناصر کی اہلیت اور کارکردگی کو آسانی سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ تعلیم کا سارا عمل اسی کے گرد گھومتا ہے۔

دینی مدارس کی تعلیم سے عربی زبان کیوں نہیں آتی ؟!

دینی مدارس کے طلبہ دوران تعلیم عربی زبان وادب کی بہت سی مفید اور جامع کتابوں نفحة اليمن، المنثورات، مقامات حریری کا انتخاب، سبع معلقات، مختارات من ادب العرب کے دوحصے، دیوان حماسہ کا انتخاب، دیوان متنبی کا انتخاب، نیز

بلاغت، معانی اور عروض کی عربی کتابوں البلاغۃ الواضحۃ، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، اور المطول پڑھتے ہیں۔ پھر علوم شرعیہ کی عظیم کتابوں کا وسیع ذخیرہ بھی عربی زبان میں ہے بلکہ قرآن حکیم تو عربی فصاحت وبلاغت کا ابدی معجزہ ہے اور حدیث مبارک بھی افصح العرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور فصیح وبلیغ ارشادات پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ صرف ونحو کی بڑی اہم کتابیں ابواب الصرف، علم الصرف، علیم الصیغۃ، فصول اکبری، علم النحو، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیۃ، شرح قطر الندی، شرح جامی اور شرح ابن عقیل بھی عربی زبان کی صحیح تفہیم وتعلیم کیلئے وقف ہیں۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مدارس کا زیادہ وقت عربی زبان وادب کو سیکھنے پر ہی صرف ہوتا ہے!

نیز یہ بھی درست ہے کہ مدارس کے طلبہ ان علوم کو سیکھنے میں سخت محنت اور مشقت کرتے ہیں اور روزانہ تقریباً ۱۴ یا ۱۵ گھنٹے تعلیم وتعلم، بحث وتکرار اور مطالعہ میں گزارتے ہیں، اور ان میں سے بہت سے ذہین اور محنتی طلبہ کچھ درسی کتابوں کو ازبر بھی کرلیتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کے طلبہ کو عربی زبان وادب میں کوئی مہارت یا صلاحیت حاصل نہیں ہوتی۔ اس افسوسناک کمی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم دونوں میں کئی طرح کے نقائص پائے جاتے ہیں جو ان علوم میں طلبہ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اگر ہم انہیں وقت کے تقاضوں اور قومی اور ملی ضروریات کے مطابق بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کے تعلیمی نظام سے ان نقائص کا ازالہ کرتے ہوئے اسے بہتر اور وقت کے تقاضوں کے مطابق بنانا ہوگا۔

اگرچہ گزشتہ مباحث میں ہم جابجا اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں مگر چونکہ دینی مدارس کے نصاب اور طرز تعلیم میں اس نکتے کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور وہ اس میں اپنی کمی بلکہ بے بسی کی وجہ سے اکثر ہدف تنقید بنتے ہیں اس لئے ان کے اساتذہ، منتظمین اور طلبہ کی راہنمائی کیلئے اس پر براہ راست گفتگو اور مفصل تجزیے کی ضرورت ہے۔

شروع میں یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ عربی زبان کی اچھی تعلیم وتربیت کا معیاری تعلیمی نصاب کیسا ہونا چاہئے اور طرز تعلیم میں کن کن اہداف اور مقاصد کی تکمیل کا اہتمام ہونا چاہئے۔

﴿زبان کی تعلیم وتدریس کے تین ضروری فنون﴾

کسی زبان اور اس کے ادب کو سیکھنے، اسے عام زندگی میں بولنے اور اس میں تحریر وبیان کا ملکہ اور مہارت حاصل کرنے کیلئے اس کے تین فنون کو سیکھنا ضروری ہوتا ہے:-

(۱) لغت یعنی اس زبان کے بنیادی اور مروجہ الفاظ کے ذخیرے، رمزوں، محاوروں، مرکبات، معروف اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ کا علم۔ لغت کا یہ علم زبان کا وہ بیج ہوتا ہے جس سے اس کا پودا اگتا ہے۔

(۲) تعبیر وانشاء یعنی یہ سمجھنا کہ اس زبان کے اپنے لوگ (اہل زبان) اسے اپنی روزمرہ کی گفتگو اور عام زندگی میں کس کس طرح استعمال کرتے ہیں اور ان کی تحریر وانشاء کا اسلوب اور استعمالات کیا ہیں۔ اس بارے میں مناسب تعلیم اور عملی تربیت دینا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) قواعد صرف ونحو۔ انہیں جاننے سے زبان کے صحیح استعمال (صحیح مرکبات، جملوں اور عبارتوں کی تحریر) میں مدد ملتی ہے اور زبان کے استعمالات کی مشق وریاضت کے دوران سرزد ہونے والی اغلاط کو سمجھنے اور ان کی درستگی میں راہنمائی ملتی ہے۔

اس سے قبل یہ بھی بیان ہوچکا ہے کہ کسی زبان کا معیاری نصاب اور معیاری طرز تدریس صرف وہ ہوتے ہیں جو زیر تعلیم طلبہ میں چار طرح کی صلاحیتوں (پڑھنے، سننے، بولنے اور لکھنے) کو پروان چڑھانے کا مناسب اہتمام کرتے ہوں۔

معیاری تعلیم وتدریس کے ان اصولوں اور نظریات کی روشنی میں جب ہم دینی مدارس کے نصاب اور طریقہ تدریس کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تو ہمیں ان میں افراط وتفریط کی کئی صورتیں اور نقائص نظر آتے ہیں مثلاً زبان دانی کے اولین اور بنیادی مضمون علم لغت کی تعلیم بالکل متروک ہے۔ اسی طرح تحریر وانشاء کا اہم مضمون بھی غائب ہے۔ تیسرے درجے پر صرف ونحو کی تعلیم میں تدریج اور ترجیحات کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس مضمون کو نہائت ثقیل اور بچوں کیلئے ناقابل فہم حد تک مشکل بنادیا گیا ہے۔

دوسری یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان تینوں مضامین میں سے پہلا مضمون نہائت سادہ اور آسان ہوتا ہے، دوسرا کچھ مشکل اور محنت طلب جبکہ تیسرا مضمون یعنی صرف ونحو کا فن نسبتاً مشکل اور طویل ہے اور اس کے کچھ مسائل یا بحثیں زیادہ مشکل اور پیچیدہ بھی ہیں۔ اور ہمارے ملک میں مروجہ کتابوں کے اسلوب کی وجہ سے یہ فن زیادہ مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے۔ اب ہمارے نصاب میں ساری توجہ اور زور صرف اسی تیسرے مضمون یعنی صرف ونحو کے قواعد کی نظری تعلیم اور اسے رٹانے پر دیا جاتا ہے؛ جس سے طلبہ کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ مضمون بالکل خشک اور غیر دلچسپ بن جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان فنون اور مضامین کی تعلیم وتدریس کا اصل اور بنیادی مقصد عربی دانی اور اس میں صلاحیت اور مہارت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ صرف اور نحو کے قواعد اور کلیات کی تدریس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ طلبہ کو عربی زبان کے صحیح مرکبات، محاورے، جملے اور عبارتیں بنانے کے وہ طریقے اور ضابطے، جو اہل زبان کے ہاں مستعمل ومروج ہیں، بتائے جائیں تاکہ وہ صحت کے ساتھ عربی زبان کو پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی استعداد حاصل کرلیں۔ اس باب میں ہمارے مدارس کا رویہ یہ ہے کہ یہ نہ عربی

زبان ولغت کی تعلیم دیتے ہیں اور نہ عربی تعبیر وانشاء کی۔ صرف قواعد عربیہ کی تعلیم پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل مقصد سے عاری اور مقاصد تعلیم کے منافی ہے۔ اور اس سے طرح طرح کی مشکلات نے جنم لیا ہے۔ جو عربی زبان وادب کی بہتر تعلیم کی راہ میں حائل ہیں اس لئے ان امور پر مزید روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

نمایاں نقائص

پہلا نقص - لغت کے بنیادی الفاظ کا ذخیرہ یاد نہیں کرایا جاتا۔

اسلامی مدارس کے نصاب اور طرز تدریس میں طلبہ کو عربی زبان کی بنیادی معلومات اور اس کے ذخیرہ لغت کو یاد کرانے اور ان کے ذہنوں میں راسخ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ بنیادی فن ان کے ہاں بالکل متروک ہے حالانکہ یہی وہ اصل مادہ ہوتا ہے جس پر کلام اور تحریر وانشاء کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ کسی زبان کے مروجہ الفاظ، مرکبات، محاورات، روزمروں اور معروف اصطلاحات کو سمجھے اور یاد کئے بغیر اسکے صحیح استعمال، اور اسمیں لکھنے بولنے کی مہارت حاصل کرنے کا تصور ممکن نہیں ہے۔

ان مدارس میں تعلیم کا سارا نظام عربی عبارتوں کا لفظی اور زبانی ترجمہ کرانے تک محدود رہتا ہے اور عموماً تحریری کام نہیں کرایا جاتا؛ اسلئے طلبہ صرف عبارتوں کا لفظی ترجمہ کرنے سے آگاہ ہوتے ہیں، جبکہ اس کے علاوہ عربی زبان کی دوسری ضروری معلومات سے ناواقف رہتے ہیں۔ ان ضروری معلومات میں عربی لغت کے متداول الفاظ کا بنیادی ذخیرہ، مشہور الفاظ میں سے جمع کے مفرد، مفرد کے جمع، اور کثیر الاستعمال اور مشہور افعال کے ماضی، مضارع اور مصادر کا صحیح تلفظ، ان کے استعمالات اور معانی سے آگاہی اور ان کے ساتھ لگنے والے صلات (حروف جر)، نیز عربی زبان کے روزمرہ محاوروں کا علم وغیرہ سب معلومات بہت اہم اور ضروری ہوتی ہیں۔

عربی لغت کی معلومات کی تعلیم کب اور کیسے دی جائے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدارس کے طلبہ کو عربی لغت کی ان بنیادی معلومات کی تعلیم کس مرحلے پر اور کیسے دی جائے؟ کیا اس کے لئے الگ اور مستقل مضمون رکھنا ہوگا؟ طلبہ کو ان اہم معلومات کی تعلیم کا آغاز شروع ہی سے ہونا چاہیے اور پھر ان کی عمر اور ذہنی استعداد کے مطابق بتدریج آگے بڑھانا چاہئے۔ اس کے لئے الگ کتاب یا مضمون کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ معلومات قرآن کریم، حدیث شریف اور عربی زبان کی درسی کتابوں میں موجود ہوتی ہیں۔ اب یہ محترم مدرسین کا کام ہے کہ وہ انہیں صحیح نہج پر مرتب کریں اور انہیں طلبہ کو املا کرائیں، اور انہیں ذہنوں میں راسخ کرنے کیلئے تحریری اور زبانی مشقیں حل کرائیں (تفصیل کیلئے طریقہ تدریس میں اصلاح و ترمیم کی تجاویز ملاحظہ فرمائیے)۔

دوسرا نقص - عربی زبان میں تحریر وانشاء کی تربیت نہیں دی جاتی۔

کسی زبان میں بول چال اور تحریر وانشاء کی استعداد اور صلاحیت کو حاصل کرنے کیلئے اس میں سالہا سال کی مشق اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے مدارس اس اہم فن کو اب تک نظر انداز کر رہے ہیں اور وہ اس کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنوں اور بیگانوں سب کی تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں۔ محض گرامر (صرف ونحو) کے قاعدوں اور کلیات کو یاد کرنے سے زبان وادب کا ذوق پیدا ہوتا ہے نہ تحریر وانشاء کی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے اولا؛ لغت کی بنیادی اور ضروری معلومات کو جاننا اور پھر انہیں اپنی تحریر اور گفتگو میں استعمال کرنے کی مشق کرنا لازمی ہے۔

تیسرا نقص - صرف ونحو کا علم پختہ نہیں ہوتا۔

دفاق کے موجودہ نصاب کے مطابق طلبہ چھ سال تک صرف اور نحو کا علم پڑھتے اور اسے بڑی محنت اور جانفشانی سے یاد کرتے ہیں۔ اساتذہ ان جامع اور علمی کتابوں کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھاتے اور ان کی تشریحات، نکات اور مشکلات کو شرح وبسط سے واضح کرتے ہیں۔ اور اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ان میں سے اکثر طلبہ ان کتابوں کو شروع سے آخر تک خوب توجہ اور لگن سے پڑھتے اور ان کے اکثر حصوں کو ازبر کر لیتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہوتا کہ وہ ان کے صرف خلاصوں اور گائیڈوں کو پڑھتے اور یاد کرتے ہوں۔ ہرگز نہیں! یہاں خلاصوں کا وجود نہیں ہے! بہر حال دینی مدارس کے طلبہ عموماً بڑی محنت کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ عجیب اور بظاہر متضاد بات ہوتی ہے کہ وہ صرف اور نحو کے پورے فن تو کجا ان کے بالکل ابتدائی اور اساسی مسائل کے پختہ علم سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ میں یہ بات کسی ظن یا اندازے سے نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ یہ میرا روز کا عملی مشاہدہ ہے۔ ہمارے ہاں دینی مدارس کے فارغ التحصیل نوجوانوں کیلئے تخصص فی اللغۃ العربیۃ کا کورس ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب انہیں سادہ جملے بنانے کی مشق لکھنے کا کام دیا جاتا ہے تو وہ:-

(۱) اشارہ اور مشار إلیہ پر مشتمل سادہ جملے (جیسے هذا ---- وهذه ---) لکھتے ہوئے اسم مذکر اور اسم مؤنث کی پہچان میں پختہ نہیں ہوتے، اسلئے هذه كتاب، هذه دكان (کیونکہ کتاب اور دکان اردو میں مؤنث ہیں) اور اس کے برعکس هذا سبورة، هذا شجرة لکھ دیتے ہیں۔ (کیونکہ اردو میں تختہ سیاہ اور درخت مذکر ہوتے ہیں)۔

(۲) مرکب اضافی کے باب میں وہ مضاف پر الف لام (أل) لگا دیتے ہیں۔

(۳) وہ مرکب توصیفی میں موصوف سے صفت کی مطابقت سے آگاہ نہیں ہوتے۔

(۴) وہ سادہ جملہ اسمیہ میں اسم ظاہر کے فاعل ہونے کی صورت میں بھی فاعل کے مطابق فعل کا تثنیہ یا جمع کا صیغہ لکھتے ہیں جیسے جلسا الطالبان اور خرجوا الطلاب وغیرہ۔

ان کی اس طرح کی کمزوریوں کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ اولا ؛ وہ جملے کو اردو میں سو ہیں اور پھر اس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے دونوں زبانوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنے کی مشق اور ریاضت نہیں کی ہوتی۔ اس لئے نحو کے قاعدوں کے عملی اجراء کے دوران پیش آنے والی مشکلات سے آگاہ نہیں ہوتے۔ ثانیا ؛ انہوں نے صرف و نحو کے وسیع علم اور اس کی گوناگوں جزئیات اور فروع کو پڑھا اور یاد کیا ہوتا ہے لیکن وہ فن کے بنیادی اور اساسی مسائل اور ان کی اہمیت سے واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان درسی کتابوں میں انکی تفہیم یا مشق کا الگ کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ اسطرح یہ اہم اور بنیادی مسائل بھی عام بحثوں، غیر اہم جزئیات و فروع کے طویل و عریض اسباق کے درمیان مذکور ہوتے ہیں اور ان کی ترتیب وار باری آنے پر ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ جبکہ عربی زبان کی پختہ تعلیم کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ صرف و نحو کے قواعد کی تعلیم میں ترجیحات مقرر کی جائیں اور ایسے بنیادی اور اہم ترین قواعد کو جو کثرت سے اور بار بار مستعمل ہوتے ہیں خاص توجہ سے پڑھایا جائے اور ان کے استعمال اور اجراء کی اس قدر متنوع عملی مشقیں حل کرائی جائیں کہ بچوں کے ذہنوں میں ان کا علم اور استعمال کا طریقہ دونوں اچھی طرح راسخ ہو جائیں۔ جبکہ ابتدائی جماعتوں میں قواعد کی غیر اہم جزئیات، قیل و قال کی موشگافیوں، قواعد کی منطقی توجیہات (مثلا مبنی الاصل سے مشابہت، تنازع فعلین، مصدر یا فعل کے اصل و فرع ہونے کی بحث وغیرہ) کا تذکرہ قطعا نامناسب ہے۔ نیز ایسے مشکل قواعد کا تذکرہ بھی نہیں ہونا چاہئے جن کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اس کمی اور نقص کے اسباب کو واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں :

"یہ ایک بڑی تعجب خیز اور ناقابل فہم بات ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اپنی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ اور اپنی ذہنی صلاحیتیں ان علوم و تصنیفات کے درس و مطالعہ میں صرف کرے جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، لیکن اس زبان میں اظہار خیال سے بالکل معذور و قاصر ہو، زبانوں کے سلسلے کا یہ بالکل انوکھا تجربہ ہے جو صرف ہندوستان کے عربی مدارس اور علمی مجالس کی خصوصیت ہے۔
اس معذوری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کو جس کی بدولت ہم اسلام سے علمی تعلق پیدا کرتے ہیں کبھی زبان کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اس کو بھی ایک نظری علم اور ایک کتابی فن کی حیثیت سے دیکھا گیا اور صرف کتابوں کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھا گیا، اس ذہنیت اور نقطہ نظر کا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی اس کی عملی مشق تحریر و انشاء کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور اس کا انجام یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فضلاء مدارس اپنی دوسری صلاحیتوں کے ساتھ عربی زبان میں چند سطریں لکھ لینے یا چند منٹ گفتگو کر لینے پر قادر نہیں ؛ خصوصا جب کہ یہ تحریر یا گفتگو عام زندگی یا روزمرہ کی ضرورت سے متعلق ہو اور خالص دینی یا علمی بحث میں محدود نہ ہو، یہ کمی اہل نظر کو پہلے بھی محسوس ہوتی تھی لیکن اب جب کہ عربی ممالک کے فضلاء سے اختلاط و اجتماع کے زیادہ مواقع پیدا ہو گئے ہیں اور دینی خدمت کا میدان زیادہ وسیع ہو گیا ہے یہ کمی زیادہ شدت سے محسوس کی جانے لگی ہے"۔ (مقدمہ معلم الانشاء، اول صفحہ ۸)

محترم پروفیسر ڈاکٹر ف۔ عبدالرحیم اس ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکا علاج یوں تجویز کرتے ہیں :-

"س- ہمارے مدارس میں عربی زبان کی کیا صورت حال ہے؟ آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

ج- عربی زبان کی تدریس کیلئے ہمارے مدارس میں جو اسلوب اپنایا جاتا ہے وہ کافی پرانا ہے جس میں سارا زور صرف و نحو پر صرف کیا جاتا ہے اور زبان کی زندہ مثالوں اور موجودہ دور کی علمی، ادبی اور عام زبان پر سرے سے کوئی توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک لمبے عرصے تک اور عربی زبان کے قواعد کی کتابیں پڑھ لینے کے باوجود ہمارے طلبہ عربی زبان لکھ بول نہیں پاتے۔
کسی بھی زبان کی تعلیم کے چار پہلو (مہارتیں) ہوتے ہیں۔ دو کا تعلق اخذ و فہم سے ہے اور دو کا ادا اور عطا سے۔
فہم سے متعلق دو پہلو ہیں :-
(۱) فهم المقروء، یعنی جو لکھی جانی والی زبان ہے اسے پڑھ کر سمجھنے کی قدرت
(۲) فهم المسموع، سن کر سمجھ لینے کی استطاعت
اسی طرح ادا اور عطا کی بھی دو مہارتیں ہیں :-
(۱)- التعبير الشفهي- اپنے مافی الضمیر کو زبانی طور پر ادا کر لینا
(۲)- التعبير التحريري- اپنے مافی الضمیر کا قلم کے ذریعہ اظہار
ہمارے مدارس میں سارا زور فهم المقروء پر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ قدیم زمانے کی چند خاص کتابیں پڑھ کر سمجھ تو لیتے ہیں لیکن بقیہ تینوں پہلوؤں سے بالکل کورے رہ جاتے ہیں۔
اجنبی زبانوں کی تعلیم سے متعلق جو نئی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر ہم موجودہ وقت کے ایک چوتھائی حصہ میں طالب علم کو عربی زبان سکھا کر دوسرے مضامین کی تعلیم کیلئے فارغ کر سکتے ہیں۔
س- زبان کے بقیہ تینوں پہلوؤں سے ہمارے ہاں جو کمی رہ جاتی ہے اسے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟
ج- اس کیلئے ہمیں بعض مضامین کا اضافہ کرنا ہوگا جیسے قراءۃ اور تعبیر ؛ تاکہ طالب علم عربی زبان کو صحیح پڑھنے اور سمجھنے کے ساتھ ساتھ بولنے اور لکھنے پر بھی قادر ہو جائے۔
اسی طرح ایک اور مضمون جس کے اضافہ کی ضرورت ہے "املا" ہے۔ ہندوستان میں جو عربی لکھی جاتی ہے اس میں املا کی بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں جیسے حرف عطف "واو" کو سطر کے آخر میں لکھا جاتا ہے جو کہ انتہائی فاش غلطی ہے۔ املا عربی زبان کے مختلف علوم میں سے ایک مستقل علم ہے اور باقاعدہ سکھائے جانے کا مستحق ہے۔ اس کے ذریعہ ہم بہت آسانی سے اس طرح کی غلطیوں سے بچ سکتے ہیں"۔ (انٹر ویو سہ روزہ دعوت دہلی، ۱۶ دسمبر ۱۹۹۷ء)